بسم اللہ الرحمن الرحیم

سچ

قیمت سالانہ ۳؍ | بیرون ہند سے ۶ شلنگ
قیمت ششماہی ۱۲؍ | فی پرچہ ۱؍

نمبر ۴۲ | ۱۷ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ، یکم نومبر ۱۹۲۶ء | جلد ۲

سچی باتیں

آج آپ دیکھ رہے ہیں، کہ مسئلہ حجاز میں، آپ کے ہم وطن مسلمانوں کے درمیان کیسی سخت پھوٹ پڑ گئی ہے۔ نفاق پہلے سے بھی موجود تھا، لیکن یہ شدت، جو آج ہے، پہلے نہ تھی۔ اپنے بڑے سے بڑے نامور اخبارات کو اٹھا کر دیکھیے، دوسرے فریق کے لیے، ایسے الفاظ ملیں گے، جو یہود کے لیے تو کیا، غیروں کے لیے بھی مشکل ہی سے جائز رکھے جا سکتے ہیں۔ اپنی مشہور ترین انجمنوں کی رودادوں کو ٹٹولیے، دوسری انجمنوں ہی پر نہیں، خود اسی انجمن کے اندر، ایک رکن دوسرے رکن کی عزت و آبرو کا، دشمن نظر آئے گا۔ کل تک جن کا شمار مخلص احباب و رفقائے کار میں ہوتا تھا، آج وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو کر میدان میں بیٹھ رہے ہیں! اگر شروع ہی سے یہ نفسا نفسی ہوتی، تو اب تک اجتماعی اور ملی کام، برا بھلا جیسا بھی کچھ ہو چکا ہے، اس کا ایک حصہ بھی ہونا ناممکن تھا۔

جیسی اب ہے تری محفل کبھی ایسی تو نہ تھی!

بیٹھ سوچیے، کہ اس غیظ و غضب، اس برہمی و اشتعال، اس جوش و خروش کی آخر کوئی بھی بنیاد ہے؟ کیا کوئی فریق مرتد ہو گیا ہے؟ کیا کسی نے بجائے توحید کے کئی خدا ماننے شروع کر دیے ہیں؟ کیا کسی نے رسول برحق کی رسالت سے انکار کر دیا ہے؟ کیا کسی نے قرآن کے بجائے کسی اور کتاب پر اپنا ایمان قائم کر لیا ہے؟ کیا کسی نے سنت تبدیل دینے کا اعلان کر دیا ہے؟ کیا کسی نے نماز و زکوٰۃ کی فرضیت کو منسوخ کر دیا ہے؟ کیا کسی نے نماز کے اوقات و رکعات میں کوئی ترمیم کر دی ہے؟ کیا کسی نے نادانستہ، رسول کریم یا کتاب مبین کی توہین کا قصد کر لیا ہے؟ کیا کسی نے ضروریات دین و ارکان اسلام میں سے کسی ایک سے بھی پھر جانے کا دعویٰ کیا ہے؟ اگر ان تمام سوالات کا جواب نفی میں ہے، تو ذرا اپنی جگہ پر غور کیجیے، کہ اس جوش غضب کا کوئی ساحل ہے؟ اس فضیحت و رسوائی کا یہ کوئی سا موقع ہے؟ اختلاف کی بنیاد، زیادہ سے زیادہ اس امر پر ہے، کہ مختلف اشخاص اپنے اپنے رنگ میں، اور اپنی اپنی فہم و بصیرت کے مطابق، اس ارض پاک کی خدمت کرنی چاہتے ہیں۔ کسی کے نزدیک یہ مقصد، ایک خاص حکومت کو وہاں قائم کرنے سے پورا ہو سکتا ہے، اور کسی کے نزدیک اس حکومت کو وہاں سے مٹا دینے سے۔ یہ اختلاف، تفاوت فہم کا ہوا یا تضاد اصول کا؟ کیا تفاوت عقول کی بنا پر، جدال و قتال کرنا، کسی مذہب، کسی فرقہ کے نزدیک بھی جائز ہے؟

ہر فریق کو اپنی رائے پر قائم رہنے، اس کی صحت کو بار بار تسلیم کرانے، اس کی تائید میں پر زور دلائل پیش کرنے کا پورا حق ہر وقت حاصل ہے۔ لیکن دوسرے فریق کی نیت اور دیانت پر حملہ کرنے کا حق آخر کیونکر حاصل ہو گیا ہے؟ رہیں اشخاص کی کمزوریاں اور لغزشیں، سو یہ کس جگہ اور کس زمانہ میں نہیں رہی ہیں؟ کوئی بہتر سے بہتر انسان بھی ان سے پاک ہے؟ فرق صرف درجات کا ہوتا ہے، کسی میں کم، کسی میں زیادہ۔ فرق میں قوی اور طرز بحث والے

ایڈیٹر: عبدالماجد

اور بزدل، سب ہی طرح کے سپاہی ہوتے ہیں۔ بعض جہاد میں محض رضائے حق کے لیے شریک ہوتے ہیں، اور بعض مال غنیمت کی طمع میں۔ جن کی نیتوں میں کھوٹ ہے، وہ خود اپنا اجر ضائع کرنیوالے ہیں، انسان کا کام انکی نیتوں کی پڑتال تو نہ ہونا چاہیے۔ ہمارے اطمینان کے لیے اس قدر کافی ہونا چاہیے کہ وہ جس نیت اور جس مقصد سے بھی ہو، ہماری فوج کی اگلی یا پچھلی بہرحال کسی نہ کسی صف میں شامل ہیں۔ اس سے زائد توقع تو اسلام کے عہد زریں میں بھی نہیں کی جا سکتی تھی، چہ جائیکہ اس ہجوم آشوب و ہنگامۂ انتشار میں! ؎

دیکھیو ذرا، تنزل تو خود ہی رو رہا ہے،
رو تو رہا کب یہ حالت آپیں کے شور ہا ہے!

قید نکاح سے بیزاری

(ویانا) جنگ عظیم سے قبل آسٹریا وہنگری کی مملکت عظیم کا دارالحکومت تھا، اب بھی اس کا شمار تمدن کے بڑے مرکزوں میں ہے۔ تازہ اطلاع یہ ہے، کہ یہاں کے مردوں میں روز بروز نکاح کی جانب سے بے رغبتی، اور ازدواجی زندگی سے بیزاری بڑھتی جاتی ہے۔ چنانچہ ۱۹۱۴ء میں جتنی شادیاں ہوئی تھیں ۱۹۲۵ء میں انکی صرف نصف تعداد میں ہوئیں! شہر کی آبادی ۱۸ لاکھ سے کچھ کم ہے۔ اس میں ۲۵ سال سے زائد عمر والے ۱۰ لاکھ، اور ۳۵ سال سے اوپر عمر والے ۹۰ ہزار ایسے ہیں، جو بن بیاہے ہیں! راوی کا بیان ہے، کہ یہ بیزاری صرف مردوں تک محدود نہیں، بلکہ اسی طرح صنف نازک بھی بے نکاحی زندگی کو پسند کرنے لگی ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ہے کہ نہ صرف شہر ویانا بلکہ سارے ملک آسٹریا میں ایک طرف بچوں کی شرح پیدایش گھٹتی جاتی ہے، اور دوسری طرف ناجائز اور بے نکاحی اولادوں کی شرح بڑھتی جاتی ہے! نکاح پہلے ایک مذہبی رسم تھی، ترمیم یہ کی گئی کہ اسے محض ایک قانونی معاہدہ کی حیثیت دیدی گئی، اس "اصلاح" کا نتیجہ یہ ہوا ہے، کہ طلاقوں کی تعداد ۲۰ ہزار تک پہونچ چکی ہے!

کیا نظام خانگی کی بربادی، خانگی مسرتوں کی تباہی، ازدواجی برکتوں اور راحتوں سے محرومی، تمدن جدید کے لیے بطور لازم و ملزوم کے ہے؟

دمشق تہذیب جدید کے شکنجہ میں

دمشق کا شمار کل تک مشرق کے خوبصورت ترین شہروں میں تھا، آج سے نہیں، سیکڑوں ہزاروں سال سے تمدن قدیم کا مرکز چلا آ رہا ہے، اسکی رونق و آبادی کی دھوم مدت سے چلی آ رہی ہے، اسکے گلشنوں کی شادابی پر دوسرے شہروں کو رشک ہوتا آیا ہے۔ کل تک یہ سب کچھ تھا، آج "مدعیان تہذیب" و علمبرداران شائستگی حکومت فرانس کی عنایتوں سے اس کا یہ حال ہے، کہ اسکے محلے تاراج، اسکے نقش پامال، اسکی آبپاشی کی نہریں خشک، اسکے بازار ویران، اسکے ایوان و گرد بجلی قرنوں کی آگ اور توپ کے ذریعہ سے صفایا، اور اسکے سبزہ زار و گلستان ایک کشت ویران! قدرتی نتیجہ یہ ہے، کہ عبد الحمید خاں کے زمانہ کی آزادی و خود مختاری، اور امن و امان کی یاد آج ہر زبان پر آ رہی ہے۔ لیکن دوسری طرف مہذب و شایستہ فرانس کا شکنجۂ استبداد اور سخت ہوتا جا رہا ہے، اور مجلس اقوام بیچاری اپنے کارندہ کو منفرد حسن کارگذاری

کی سند دینے والی ہے!

یہ ہے مغز اس نوٹ کا، جو انگلستان کی لیبر جماعت کے نامزد ارتیمبر بسرو ویکلی نے چند ہفتے ہوئے "عالم میں تہذیب پھیلانے" کے عنوان سے لکھا تھا۔ اس طرح کی شہادت کے بعد بھی کسی بیرونی گواہ کے پیش کرنے کی ضرورت باقی ہے؟ چنگیز و ہلاکو، تیمور و نادر، جو ظلم و شقاوت، سفاکی و بیدردی کے دیوتا کہے جاتے ہیں، ان میں سے کسی کو بھی اتنے وسیع پیمانہ پر قتل و تاراج کی تدبیریں سوجھی تھیں؟ کسی کے پاس ان اغراض کے لیے اتنے مہیب و ہولناک آلات تھے؟ کسی نے انسانی خون کی قیمت کو اس قدر ارزاں کر دیا تھا؟

لندن میں پہلا خانۂ خدا

برطانیہ کو دنیا کی سب سے بڑی مسلم سلطنت ہونے کا دعویٰ ہے، اس معنی میں، کہ اسکی "رعایا" کروڑوں کی تعداد میں مسلمان ہے۔ لیکن مسلم جذبات کی طرف سے اسے جو عام بے التفاتی ہے، اسکی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اب تک خاص شہر لندن میں کوئی مسجد ہو ہی نہ تھی۔ (ووکنگ کی مسجد جو خواجہ کمال الدین صاحب کے اہتمام و تولیت میں ہے شہر لندن سے ۲۰، ۲۵ میل کے فاصلہ پر ہے)۔ ہمارے قادیانی دوستوں کی یہ کوشش و عزم یقیناً قابل مبارکباد ہے، کہ انھوں نے باوجود اپنی قلت تعداد کے، چند سال میں وہ کر دکھایا، جو مسلمانوں کا انبوہ عظیم سالہا سال میں بھی نہ کر سکا، یعنی خاص لندن میں ایک مسجد بنا کر کھڑی کر دی۔ اور آج سے انشاء اللہ ہر روز پانچ بار اللہ اور اسکے رسول برحق کے نام کی پکار، لندن کی فضا میں بلند ہوتی رہے گی۔

ولایتی اخبارات میں اس مسجد کے خوب شہرے ہو رہے ہیں، ہر اخبار نے اس کا تذکرہ یا اسکی تصویر دی ہے۔ اہل مغرب کی نفسیت و ذہنیت کی اس نبض شناسی پر ہمارے قادیانی دوست قابل مبارکباد ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ اس سے زیادہ مبارکباد، انکی خدمت میں سچائی کے ساتھ نہیں پیش کی جا سکتی۔ کم از کم اخیار کے سامنے تو انھیں اسلام کو اسلام ہی کی حیثیت سے پیش کرنا تھا۔ نہ کہ اسکے کسی خاص فرقہ کے لحاظ سے، اور فرقہ بھی ایسا، جو عام امت اسلامیہ سے اسی قدر الگ ہو، جیسے یہودیوں سے مسیحی ہیں! یہ تشبیہ و تمثیل خود انھی حضرات کی پیش کی ہوئی ہے۔ لندن ٹائمز اور دوسرے ولایتی اخبارات، جن جن میں افتتاح مسجد کی تحریک پر (جیسا کہ اغلب ہے) خود انھیں احمدی حضرات کے لکھے ہوئے مضامین شایع ہوئے ہیں، سب میں یہ تصریحات موجود ہیں، کہ احمدیت کو اسلام سے وہی نسبت ہے، جو مسیحیت کو اپنے آغاز میں یہودی مذہب سے تھی، احمدیت بخلاف دوسرے اسلامی فرقوں کے اندر مذاہب غیر کیساتھ پوری رواداری برتتی ہے، احمدیت کو مسیحیوں سے کوئی پرخاش نہیں ہے، وقس علی ہذا۔ اور پھر سب سے بڑھکر وہ "انگریز اور سلطنت" وہ تصریح ہے، کہ احمدیت کا طرۂ امتیاز سرکار برطانیہ کی ہوا خواہی و ملکہ وکٹوریا ہے! یہ واقعات، بالفرض صحیح ہوں بھی، تو اخبار یکے اس بلند آہنگی سے اظہار میں خدا معلوم کیا مصلحت تھی۔ کسی فرقہ کے مختلف حصوں میں اگر اندرونی اختلافات ہوں بھی، تو یہ کیا ضرور ہے، کہ انکا اظہار غیر کے سامنے بھی کر دیا جائے! اس افسوسناک طرز عمل کے بعد بھی ہمارے

(دیکھیے صفحہ ۵ ک ۲)

سُنہری ہتکڑی

(از عبدالماجد)

قرآن پاک کوئی قصہ کہانی کی کتاب نہیں۔ جو قصے بھی اسکے اندر وارد ہیں، وہ مقصد عظمتیں، اتنی بصیرتیں رکھتا ہے، کہ انسان کی نظر اگر انکے ایک حصہ ہی پر جا پہونچ جائے، تو عجب کو اعجاز قرآن کا یقین دلا دینے کے لیے بالکل کافی ہے۔ چند مختصر لفظوں کے کوزہ میں، واقعوں اور دانائیوں کے وسیع دریاؤں ہی کو نہیں پورے سمندر کو بھر دینا، مخصوص کلام مجید ہی کا حصہ ہے۔ بظاہر ایک سادہ قصہ بیان ہو رہا ہے، لیکن اشخاص قصہ کی سیرت (کیرکٹر)، ذہنیت (سائیکالوجی)، اور محرکات عمل کے سارے جزوی جزئیات تک پڑھنے والوں کی نظروں کے سامنے آتے چلے جاتے ہیں، اور قرآن کا یہ وہ شرف مخصوص ہے، کہ دنیا کی کوئی کتاب اس باب میں اسکے سامنے نہیں پیش کی جا سکتی۔

فرعون کا جو قصہ کلام پاک میں درج ہے، اُسکے اجزاء ترکیبی بہت ہیں، مثلاً حضرت موسیٰ، حضرت ہارونؑ، فرعون، ہامان، اہل دربار، ساحروں کا گروہ، وغیرہم۔ ان میں سے کوئی جزو بھی غیر اہم یا غیر ضروری نہیں۔ مشین کے لیے ہر پرزہ اپنی جگہ پر لازمی ہے، کسی ایک کے بھی ہٹا دینے سے مشین کے نظام میں خلل پڑ جائے گا۔ سیرتوں، مزاجوں اور ذہنیتوں کے یہ سارے نمونے قرنوں سے اب تک چلے آ رہے ہیں، اور آخر تک یوں ہی چلے جائینگے۔ فطرت بشری کی ان نیرنگیوں کی عمر خود انسانیت کے دامن سے وابستہ ہے جب تک انسان کا وجود روئے زمین پر موجود ہے، حق و باطل کے ہی معرکے گرم رہیں گے، اور تماشاگاہ عالم میں ہر شخص اپنا اپنا پارٹ اسی انداز، اسی نوعیت کے مطابق ادا کرتا رہے گا۔

فرعون کے ڈرامہ میں ساحروں کا پارٹ بظاہر دوسرے درجہ کا معلوم ہوتا ہے، یعنی گویا ضمناً آگیا ہے، لیکن حقیقۃً ان ساحروں کا گروہ بھی دنیا کی آبادی میں اپنی ایک مستقل ہستی رکھتا ہے، ہر زمانہ میں یہ سیرت موجود رہی ہے، آج بھی یہ ذہنیت زندہ ہے، اور اس کا وجود، انسانیت کے وجود تک قائم رہے گا۔ دیکھنا یہ ہے، کہ کتاب مبین و حکیم نے اس سیرت اور ذہنیت پر کیا روشنی ڈالی ہے؟

فرعون اور اسکی گورنمنٹ[1] کے سامنے جب پیام حق پہونچایا جاتا ہے، اور اس کے پیغمبر کہتے ہیں، کہ قوم بنی اسرائیل کو انکے من کے مطابق چلنے کی آزادی دے، تو فرعون اس دعوے کے ہر جزو کی تکذیب کرتا ہے۔ وہ نہ قوم اسرائیل کو آزادی دینے پر آمادہ ہے، نہ موسیٰ علیہ السلام کی پیمبری کا قائل ہے، اور نہ پھر اُس رب الارباب ہی کے، جسکا پیام حضرت موسیٰ لائے ہیں، وجود و حکم کو تسلیم کرتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ سے اُس سے مختلف موقعوں پر مختلف بحثیں اور گفتگوئیں ہوتی ہیں، حضرت موسیٰ بہتر سے بہتر دلائل اور مضبوط سے مضبوط شواہد اپنے دعوے پر پیش کرتے ہیں، لیکن فرعون اپنی شامت عمل سے، سرے سے بحث کا رخ ہی بالکل دوسری جانب پھیر دیتا ہے۔ حضرت موسیٰ کی سچائی اور انکے پیام کی حقانیت کا امکان تک وہ اپنے ذہن کے سامنے نہیں لاتا، بلکہ اُن ہی کی طرف سے بدگمانی قائم کرکے یہی کہتا ہے، کہ اس تحریک سے موسیٰ کا مقصد صرف یہ ہے، کہ خود اپنی حکومت قائم کرلیں۔

آج کل کی "آئینی" "دستوری" و "جمہوری" حکومتوں کی طرح فرعون بھی آئین و دستور، کونسل اور پارلیمنٹ کو اپنے ظلم و استبداد کی آڑ بنائے ہوئے تھا، اور اپنے جابرانہ احکام و قوانین نافذ کرنے سے پیشتر اپنی کونسل کی بھی منظوری حاصل کرلیتا تھا۔ چنانچہ حضرت کلیمؑ کے اس انوکھے دعوے کو سن کر بھی اُس نے اپنے ارکان کونسل سے کہا کہ اے سردارو، دیکھو

وقال فرعون یاایہا الملاُ ما علمت لکم من الٰہ غیری (قصص ع ۴)

تو سہی، یہ کیسی نئی بات کہہ رہا ہے! میں تو اپنے سوا تمہارے لیے کسی اور معبود کو جانتا نہیں، تمہارا "مائی باپ" اور "خدا" تو میں ہوں، یہ کن "رب العالمین" کی صدا لگا رہے ہیں۔

یہ فرعون کے اہل دربار، اُسکے امیر و وزیر، اسکی کونسل کے ارکان، کچھ اس سے الگ رائے و خیال کے نہ تھے اور نہ ہو سکتے تھے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ کو انکار و تکذیب کے جو جواب ملے ہیں، ان میں یہ ستاران دولت بھی اپنے معبود کے پورے طرح شریک اور ہمزبان تھے۔ (سورہ یونس، رکوع ۸ میں اسکی تصریح موجود ہے) پھر اس فرعونی جماعت میں محض فرعون ہی کے ہم قوم و ہم قبیلہ نہیں شریک تھے، بلکہ خود موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کے بھی بہتیرے لوگ اپنے زمانہ کی "سرکار دولتمدار" کی ہوا خواہی و وفاداری کے جذبات میں سرمست تھے۔ سو موسیٰ پر ایمان لانے والے بس اسی کی

فما اٰمن لموسٰی الا ذریۃ من قومہ علی خوف من فرعون وملائہم ان یفتنہم (یونس ع ۹)	قوم کے تھوڑے سے نوجوان تھے، اور باقی لوگ اس اندیشہ سے، کہ فرعون اور خود انہیں کے سردار انہیں تنگ کرینگے

ایمان نہ لائے۔

جب حضرت موسیٰؑ کا اصرار اپنے مطالبہ پر بڑھنے لگا، اور حکومت کی زبان میں ملک میں شورش پھیلنے لگی، تو انہیں کونسل والوں نے اس مسئلہ کو بھی پیش

قال الملأ من قوم فرعون ان ہٰذا لساحر علیم ۝ یرید ان یخرجکم من ارضکم فماذا تامرون ۝ (اعراف ع ۱۳)	کیا، اور آپس میں، قوم فرعون کے ان سرداروں نے کہنا شروع کیا، کہ یہ تو ایک زبردست علم والا ساحر آ کھڑا

ہوا ہے، جو اسکے درپے ہے، کہ تمہیں تمہارے ملک سے نکال باہر کرے، بس کہو، اب کیا صلاح ہے؟

[1] ثم بعثنا من بعدہم موسیٰ و ہارون الی فرعون وملائہ بآیاتنا فاستکبروا وکانوا قوماً مجرمین (یونس ع ۸) سورۂ اعراف میں یہ تصریح ہے کہ حضرت موسیٰ کی بعثت فرعون اور فرعون کی جانب تھی

[2] یعنی ذریۃ بنی اسرائیل لانہم کانوا یشبون الخاہم خوفاً من فرعون علیہم مثلہ انفسہم (نیشاپوری)۔ ابن جریرؒ نے بھی اسی مفہوم یعنی سرداران بنی اسرائیل کو ترجیح دی ہے لیکن اور بہت سے مفسرین اس جانب گئے ہیں، کہ "ملائہم" سے مراد ملاء فرعون" ہے۔ ان قارون کان من قوم موسیٰ کا قرینہ سے ترجیح اسی خیال کو ہوتی ہے کہ یہاں بھی سرداران بنی اسرائیل ہی مراد ہیں، اور اسی لیے متن میں یہی اختیار کیا گیا ہے۔ فماذا تامرون یہ مقولہ فرعون کے دربار یوں کا ہی ہو سکتا ہے۔

سوال کرنے والے خود ہی جواب دینے والے بھی تھے، اور جو دماغ آج "اندر سبھا" ایجاد کر سکتے ہیں، وہ اُس وقت بھی اپ ٹو ڈیٹ تھے۔ تجویز یہ پاس کرکے فرعون کی خدمت میں پیش کی، کہ موسیٰ اور اُنکے بھائی کے معاملہ کے فوری فیصلہ کو ملتوی رکھیے، اور اس اثنا میں اُنکے مقابلہ کے لیے اسی کے فن

قالوا ارجه واخاه وارسل في المدائن حاشرين يأتوك بكل سحار عليم - (اعراف ع ۱۳)

کے ماہروں، اسی کے سے زبردست علم والے ساحروں کو جمع فرمایئے، اور اُنکے لیے مختلف شہروں میں ایجنٹ روانہ کر دیجیے، تاکہ اُنکو اکٹھے کرکے جہاں پناہ کی خدمت میں لا کے حاضر کریں۔

اس تدبیر پر عمل ہوا۔ ہر ہر شہر سے بڑے بڑے ماہرین فن، اور بڑے باکمال ساحرین، دربار میں حاضر ہوئے، اور سب نے اپنی خدمات تاج و تخت کی حفاظت کے لیے پیش کیں۔ لیکن یہ گروہ وہ تھا جسے حضرت موسیٰ کی شخصیت، یا اُنکے پیام سے براہ راست ذرا بھی عداوت یا پرخاش نہ تھی۔ اور یہی وہ مقام ہے کہ جہاں کلام پاک کی نہایت درجہ اسرار شناسی اور نکتہ سنجی کی داد ایک بار پھر بیساختہ زبان قلم پر آجاتی ہے۔ حضرت موسیٰ کی مخالفت میں اسوقت متعدد قوتیں کام کر رہی ہیں۔ مثلاً فرعون خود، فرعون کے اہل دربار یا ارکان کونسل (الملأ من قوم فرعون) فرعون کا عام لشکر (فرعون وجنوده)، خود بنی اسرائیل کی ایک بڑی جماعت، اور گروہ ساحران۔ کلام پاک کا کمال یہ ہے، کہ سب کی سیرتیں بالکل الگ الگ دکھائی ہیں۔ کوئی دینی وجاہت و حکومت چھننے ہوئے دیکھ کر براہ راست دشمن و مخالف ہے، اسکی دشمنی سب سے زیادہ شدید ہے، کوئی محض اپنی کمزوری اور بےحسی کی بنا پر حکومت کا ساتھ دے رہا ہے، اور کوئی محض مالی معاوضہ، رسوخ و تقرب کی طمع میں فرعونی حکومت کی ترقی و اقبال کی دعاگوئی میں مصروف ہے۔ سب کی گفتگوؤں کا طرز بالکل الگ الگ ہے، اور ہر ایک کا انجام بھی بلحاظ عداوت کے فرق درجات کی بنا پر، دوسرے سے مختلف ہے۔

ساحروں کی جماعت ایک پیشہ ور جماعت تھی، دُنیا کی تھی، دُنیا میں عیش سے بسر کرنا، اپنے شعبدے اور کرشمے دکھا دکھا کر دولت جمع کرنا، بس اسی قدر اُنکا مقصود زندگی تھا۔ ان بیچاروں کو حق کی تلاش نہ تھی، لیکن حق سے کوئی خاص مخالفت بھی نہ تھی۔ یہ موسیٰ کو اپنا ہی جیسا ایک پیشہ ور سمجھے ہوئے تھے، اس سے آگے دیکھنے کی اُنکی بصارت میں قوت ہی نہ تھی۔ اور چونکہ انھیں حق، و پیام حق سے کوئی خاص عداوت نہ تھی، اسلیے یہ موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ پر دل سے رضامند بھی نہ تھے، بلکہ محض حکومت کے اصرار و دباؤ سے اس میدان میں کود رہے تھے۔ چنانچہ بعد کو بیچاروں نے خود فرعون کے منہ پر اسکا اقبال کیا، کہ ہم تو سحر پر اپنی خوشی سے آمادہ تھے ہی نہیں، وما اكرهتنا عليه من السحر (طٰہٰ ع ۳) اس پر تو تجھی نے ہمیں مجبور کیا تھا۔

اس طرح کے پیشہ ور گروہوں کے بےعملی کی غرض صرف ہوس زر و طمع دولت ہو سکتی ہے۔ آج پیشہ ور وکیلوں اور بیرسٹروں کو حق و انصاف سے کچھ بھی واسطہ ہوتا ہے؟ جو فریق اُنکی خدمت میں معقول نذرانہ پیش کرکے جو کام چاہے لے سکتا ہے۔ پیشہ ور طبیبوں اور ڈاکٹروں کی خدمت میں پیش ہو جائیے، پیش کرکے جس قسم کا سرٹیفکٹ چاہیے کہ آج بھی حاصل

کیا جا سکتا ہے۔ پیشہ ور اخبار نویسوں کی جیب گرم کرکے جو مضمون منظور ہو، ہر شخص لکھا سکتا ہے۔ ہر فن کے "پیشہ ور" کاملین و ماہرین کی ذہنیت شروع سے آج تک چلی آ رہی ہے۔ کلام پاک کی بلاغت و قدرت شناسی پر قربان ہو جانے کو جی چاہتا ہے، کہ ساحروں کی سیرت جہاں دکھائی ہے، ٹھیک اسی روشنی میں دکھائی ہے۔ یہ جماعت جسوقت "جہاں پناہ" کے دربار میں حاضر ہوتی ہے، تو اپنی ہوا خواہان تاج و دولت کی زبان پر بجائے حرف سوال آ جاتا

قالوا ان لنا لاجرا ان كنا نحن الغالبين۔ (اعراف۔ ع ۱۳)

ہے کہ جہاں پناہ کے اقبال سے اگر ہم غالب رہے، تو پھر اس سرکار سے ہم انعام اکرام بھی خوب ہی لیں گے، اور اس آستانۂ کرم سے خالی ہاتھ نہ جائیں گے۔

قالوا لفرعون ائن لنا لاجرا ان كنا نحن الغالبين (شعراء۔ ع ۳)

فرعون سے کہا، کہ اگر جیت ہماری رہی تو سرکار سے کیا انعام مرحمت ہوگا؟

جہاں خداوند عالم میں کس شے کی کمی تھی، جواب ملا، کہ تم اکیلے انعام و صلہ ہی کو کہتے ہو، وہ تو خاطر خواہ ملے ہی گا، اس سے بڑھ کر یہ کہ حکومت کی طرف سے

قال نعم وانكم اذا لمن المقربين (شعراء ع ۳)، قال نعم وانكم لمن المقربين (اعراف، ع ۱۳)

تمہارے وجود سے زینت پائیں گی قرب سلطانی کا قابل رشک مرتبہ تم کو ملیگا، عہدے تمہیں ملینگے، خطابات تمہارے لیے ہونگے، مقربین دولت میں تمہارا شمار ہوگا؟

آج کے وفادار سرکاری جاگیروں اور معافیوں پر فخر کرنے والے، خطابوں کی ہوس رکھنے والے، تمغوں کو ڈھونڈنے والے، وزارتوں اور شاہی کمیشنوں پر اپنا تقرر چاہنے والے اور اسی قسم کے دوسرے جتنے بھی آج گروہ ہیں، ان میں سے کس کے اصلی خد و خال کا عکس، اس جام جم میں موجود نہیں؟

حق کا پیغمبر، اللہ کا فرستادہ، اس موقع پر بھی اپنے فرض دعوت و تبلیغ سے باز نہ رہا۔ اس لیے ساحروں کے سامنے تقریر ارشاد فرمائی، کہ تم لوگ تو اپنی ہی جان، اور اپنے کام کی نوعیت سے خود ہی خوب واقف ہو۔ یہ افترا ہی کی جسارت

قال لهم موسى ويلكم لا تفتروا على الله كذبا فيسحتكم بعذاب وقد خاب من افترى۔ (طٰہٰ ع ۳)

ہے، اللہ پر جھوٹ نہ گڑھو، اور خواہ مخواہ عذاب الٰہی کا شکار اپنے تئیں نہ بناؤ۔ بھلا افترا و شعبدہ بازی سے کوئی اپنی مراد کو پہنچ سکا ہے؟ اسکا انجام تو ہمیشہ نامرادی ہی پر ہوتا ہے۔ اس آواز حق کو سنکر ذرا اُنکے دلوں میں نرمی پیدا ہوئی، اور لگے ڈانواڈول ہو کر ایک دوسرے سے

فتنازعوا امرهم بينهم واسروا النجوى (طٰہٰ، ع ۳)

چپکے چپکے صلاح و مشورہ کرنے اور آپس میں بحث کرنے۔

ٹھیک یہی حال آج بھی اُن لوگوں کا ہوتا ہے، جنھیں اصل میں زبردستی بیچ بیچ میں شریک کرکے حق سے لا کر بھڑا دیا جاتا ہے۔ لیکن یہ تردد و تذبذب عارضی تھا۔ فضا میں یہ نعرہ گونج رہا تھا، کہ آج جو بازی لے گیا، اُسکی قسمت چمک گئی!

وقد افلح اليوم من استعلى (ایضاً) یہ ضعیف عزم کے لوگ ثابت قدم نہ رہ سکے اور دربار کی رعب، سرکاری عزتوں، شاہی نوازشوں کے مقابلہ میں اُنکے کمزور ارادہ

وقالوا بعزة فرعون انا لنحن الغالبون (شعراء، ع ۳)

نے ہتھیار ڈال دیے، اور وہ پکارنے لگے کہ سرکار کے اقبال سے جیت تو ہماری ہی رہیگی۔ میدان مقابلہ میں کود پڑے!

یہی وہ زنجیر طلائی ہے، جو آج بڑے بڑے فرزانوں اور ہوشمندوں کے اُنکے عمل کو بیکار بنائے ہوئے ہے، یہی وہ سنہری ہتھکڑی ہے، جسکے بوجھ نے آج

سیڑھیوں، میناروں، برجوں، کاملین فن اور ہنرمندوں کے دستِ عمل کو شل و ناتوان بنا رکھا ہے۔ فرعون کے زمانہ کے ساحر آج موجود نہیں، لیکن "ساحروں" سے کون زمانہ خالی ہو سکتا ہے، اور جو کتاب عالمگیر اور ابدی ہدایت کے لیے آئی ہے، اور یہی خاکہ دکھانے آئینہ میں ہر قسم کے ساحر کا عکس پوری صفائی کے ساتھ نظر آ جائے۔

بہرحال حق و باطل کا معرکہ ہوتا ہے۔ حق کھلے ہوئے نشانات کے ساتھ غالب آتا ہے۔ حق کی اس فتحمندی اور غلبہ کو سب دیکھتے ہیں، لیکن مختلف سیرتوں کا فرق پھر سامنے آ جاتا ہے۔ جن کی طبیعت شدید عداوت، تنگ بینی، خود بینی و خود پرستی، جاہ و استکبار کے رنگ سے پوری طرح آلودہ ہو چکی ہوتی ہے، ان پر اس فتح مبین کا بھی کچھ اثر نہیں ہوتا۔ آفتاب نکلتا ہے، اور اپنی پوری قوت کے ساتھ چمکتا ہے، لیکن جن جانوروں کی آنکھوں میں روشنی کے برداشت کرنے کی صلاحیت نہیں، وہ اور زیادہ تاریکی میں گھستے جاتے ہیں۔ فرعون اور اس کے سنگدل درباریوں کی عداوت، اس تجربہ کے بعد اور ترقی کر گئی، لیکن ساحروں کے دلوں پر زنگ اتنا گہرا نہ تھا۔ ان کے لیے قبولِ حق سے مانع، جاہ و استکبار، اپنے اقبال اور اپنے پرشکوہ منصب سلطنت کا خیال نہ تھا، راستہ میں محض ان کی کمزوری کا کانٹا حائل تھا۔ ان کی عداوت ابوجہل، عتبہ اور ابولہب کے طرز کی نہ تھی، ان کی مخالفت عمر بن خطاب، حمزہ، عباس (قبل اسلام) کے نمونہ کی تھی، اس کانٹے کا راستہ سے دور ہونا تھا، کہ ان کے سر بارگاہِ جلال پر خم تھے۔ گردنیں کوئے محبوب کے قاصد کے آگے جھکی ہوئی تھیں، اور زبانیں بے اختیار کسی کے حسن و جمال کی زمزمہ سنجی میں مصروف تھیں! فالقی السحرة سجدا قالوا آمنا برب هارون و موسى (طٰہٰ ع ۳) فالقی السحرة ساجدين قالوا آمنا برب العالمين رب موسى و هارون (شعراء ع ۳)

اس خلافِ توقع شکست، اور دوہری شکست نے فرعون کے ذہن پر گویا بجلی گرا دی۔ اللہ کے ان بندوں پر جو چند لمحے پیشتر ساحر تھے، اور اب مومن تھے، سرکار کا عتاب پوری قوت و شدت کے ساتھ نازل ہوا، تعزیرات حکومت کی ساری دفعات انھیں پر آزمائی جانے لگیں، اور انتہائی قہر و عتاب کے لہجہ میں ارشاد ہوا، کہ اچھا اب کھلا، کہ تم خود بھی اس سازش میں شریک تھے۔ لیکن سرکار کی گرفت سے کہاں بچ کر جا سکتے ہو، ابھی نہیں، کہ اپنی اپنی جانوں سے ہاتھ دھو رکھو، ایک عذاب و تکلیف کی جو انتہائی صورتیں ممکن ہیں، ان کے ساتھ تمہاری روحیں تمہارے جسموں سے ابھی نکالی جائیں گی۔ لیکن جو آنکھیں کسی کی دید سے مست ہو چکی ہیں، جن دماغوں پر کوئی نشہ چھا چکا ہے، جن دلوں میں کوئی حسن و جمال گھر کر چکا ہو، انھیں اپنے ہاتھ اور پاؤں، سر و جسم، کا ہوش ہی کب رہتا ہے۔ دیکھنے والوں نے دیکھا، ریت کے ذروں اور سمندر کے قطروں نے دیکھا، زمین و آسمان نے دیکھا، زمین پر بسنے والے انسانوں اور آسمان پر بسنے والے فرشتوں نے دیکھا، کہ وہی ہستیاں، جو ابھی ابھی تک کمزور سے کمزور مخلوق سے بھی ڈرتی اور وہم کا سودا کر رہی تھیں، اب ایک قوت والے کا سہارا پکڑ کر زمین والے کا سر نیچا کرنے لگیں۔ کیا سے کیا ہو گئی تھیں! اب شہنشاہ اعظم فرعون جہاں پناہ کا دربار، دربار کی کرسی، عزت و حکومت، خطاب و نوازش ہر شے خاک نظر آ رہی تھی، اور زبان اس قسم کے وظیفہ و مناجات میں مشغول تھی کہ

قالوا انا الى ربنا منقلبون - وما تنقم منا الا ان آمنا بآيات ربنا لما جاءتنا ربنا افرغ علينا صبرا و توفنا مسلمين (اعراف ع ۱۴) قالوا لن نؤثرك على ما جاءنا من البينات والذي فطرنا فاقض ما انت قاض انما تقضي هذه الحيوة الدنيا انا آمنا بربنا ليغفر لنا خطايانا وما اكرهتنا عليه من السحر والله خير وابقى (طٰہٰ ع ۳) قالوا لا ضير انا الى ربنا منقلبون انا نطمع ان يغفر لنا ربنا خطايانا ان كنا اول المؤمنين (شعراء ع ۳)

خاک کے پتلے، اپنی فانی قوت و حکومت کے زعم میں آ کر جو کچھ تیرے دل میں آئے، ہمارے ساتھ کر گذر، لیکن یہ قدم آگے بڑھ کر پیچھے ہٹنے والے نہیں، ایمان کی شراب ایک مرتبہ جن لبوں تک پہنچ جاتی ہے، پھر ان سے چھوٹ نہیں سکتی۔ ہمارے جرم ایمان کی جو چاہے سزا دے لے، تیرے اختیار کی کائنات اسی جسم و مادہ تک ہے، ہمارے نصیب میں اللہ کے فضل و کرم سے وہ عیش ہے جس کی عمر روز ازل سے بندھی ہوئی ہے، ہم تجھ سے نا چیز و بے نیاز ہو کر اپنے پروردگار سے دعا کرتے ہیں کہ اے کریم و کارساز، ہماری ساری پچھلی نادانیوں اور غلط کاریوں کو معاف کر، اور ہم کو راہ حق پر ثابت قدم رکھ، اور ہم کو ایمان کی نعمت کے ساتھ اپنی طرف اٹھا لے۔

(صفحہ ۲ کا بقیہ نوٹ)

احمدی احباب، عامۂ مسلمین سے کسی ہمدردی و یگانگت کی توقع رکھ سکتے ہیں؟

● آج اسلام پر اصلی مصیبت یہی ہے، کہ ہر شخص اپنے مخصوص فرقہ کی دھن میں مست ہے۔ ہر جگہ یہی منظر ہے، کہ درختوں کی دیکھ بھال میں جنگل کا منظر سرے سے نظرانداز ہو جاتا ہے، اور اسلام کی خدمت کا کسی کو خیال تک نہیں آتا۔ احمدی جماعت کے موجودہ سردار و رہنما مرزا محمود احمد صاحب سے یہ توقع تھی، کہ وہ اس تنگ نظری سے بالاتر ہی رہیں گے، اور یورپ کے سامنے "احمدیت" کو نہیں، "محمدیت" کو، اور "غلام احمد" کے پیام کو نہیں، "احمد" کے پیام کو پیش فرمائیں گے، تیر اس وقت بہرحال کمان سے نکل چکا ہے۔ لیکن آئندہ، اگر وہ اپنے طرز عمل میں یہ ترمیم فرما قبول کر لیں، تو عامۂ مسلمین کے ساتھ ان کے فرقہ کی کشمکش بہت گھٹ سکتی ہے۔

"خود تماشا و خود تماشائی"

سلطان ابن سعود کے فرزند نامور صاحبزادہ امیر فیصل نے جب برطانیہ کی سرزمین پر قدم رکھا ہے گویا انھیں خدا کی قدرت نظر آ رہی ہے، بڑی ایک ایک شے کو وہ حیرت سے دیکھتے ہیں اور اہل برطانیہ کے حسن صنعت پر عش عش کرتے رہتے ہیں۔ گھوڑ دوڑ، فٹ بال میچ، تھیٹر، زنانہ کپڑوں کی دکان، ہر شے کا تفرج انھوں نے اسی انداز سے مشاہدہ کیا۔ چنانچہ ماہ اکتوبر کی چلی ہوئی ولایتی ڈاک جو پچھلے ہفتہ یہاں موصول ہوئی، وہ ان کے اسی قسم کے تماشوں کی خبروں سے بھری ہوئی ہے۔ لیکن وہ محض "تماشائی" ہی نہیں رہے بلکہ خود بھی "تماشا" بنے ہوئے ہیں۔ ان کی چال ڈھال، صورت شکل، وضع قطع، ہر شے وہاں کے مرد و زن دونوں طبقوں میں ایک خاص نظر سے دیکھی جا رہی ہے۔ "ویسٹ منسٹر گزٹ" نے ایک زنانہ لباس کی دکان میں ان کی سیر کے واقعہ کو اچھی خاصی تفصیل سے لکھا ہے اور اس کا عنوان رکھا ہے "عرب شہزادہ اور بازار"۔ شاعر ہیرالڈ نے تو صاف صاف لکھ دیا، کہ یہ دلچسپی لینے والا مہمان خود بھی دلچسپ ہے۔ کسی صوفی شاعر نے اپنے "یار" کی کمال رعنائی کے وصف میں یہ کہا تھا کہ

خود تماشا و خود تماشائی!

حقیقت شناس اس مصرعہ سے جو کچھ چاہیں سمجھیں، ہم اہل بازار کی نظر میں تو درست ...

● یہ تحسین عامری مبالغے سے تمجید کا مصرعہ شہزادہ بھی "تماشا" و "تماشائی" بنا ہوا ہے۔

اسلامی جمہوریت

(از مولانا سید سلیمان ندوی)

اسلامی حکومت کی بنا بہ ترتیب یہ چار چیزیں ہیں :-

(۱) قرآن مجید،
(۲) احادیث نبوی،
(۳) ملک اور قوم کے اہل الرائے اور ارباب حل و عقد،
(۴) بصورت اختلاف آرا اُس جانب کی ترجیح جو احکام قرآن و احادیث سے زیادہ مناسب اور مشابہ ہو، کیونکہ کثرت رائے میں صواب رائے کا ہونا کچھ ضروری نہیں ہے۔

اب ہم کو یہ بتانا چاہیے کہ جمہوری سلطنت کی خصوصیات کیا ہیں اور وہ اسلام کی خلافت میں کہاں تک پائے جاتے ہیں۔ جمہوریت کی حسب ذیل خصوصیات ہیں :

(۱) پریسیڈنٹ جسکو اسلام کی اصطلاح میں خلیفہ یا امام کہتے ہیں اُسکا تقرر کسی خاص خاندانی وراثت کی بنا پر نہ ہو، بلکہ اُسکا انتخاب عام قوم کی رائے سے ہو۔

(۲) ملک کے اہل الرائے اصحاب کے مشورہ سے امور سلطنت انجام پائیں۔

(۳) عام افراد پر خلیفہ کو کوئی ترجیح نہ ہو،

تاریخ اسلام کا غور سے مطالعہ کرو، کیا موجودہ جمہوریت کی کوئی ایسی خصوصیت بھی ہے جو اسلامی خلافت میں موجود نہ تھی؟

انتخاب

یہ دنیا کو معلوم ہے کہ خلفائے راشدین میں سے کسی کا تقرر حق وراثت یا خاندانی اثر پر نہیں ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ قبیلہ تیم کے تھے، حضرت عمرؓ کا قبیلہ عدی تھا، حضرت عثمانؓ خاندان امیہ میں سے تھے، حضرت علیؓ ہاشمی تھے۔ حضرت عمرؓ نے صاف فرمادیا ہے لا خلافۃ الا عن المشورۃ خلافت صرف باہمی مشورہ سے طے ہو سکتی ہے[۱]

حضرت عمرؓ کو جب ایک شخص نے مشورہ دیا کہ اپنے بعد وہ اپنے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ کو خلیفہ بنائیں تو آپ نے اُسکو خاموش کر دیا[۲]۔ حضرت عمرؓ نے مرتے وقت خلافت کے لیے جب اشخاص ستہ کا نام لیا تو اسکے ساتھ اسکی بھی تصریح کر دی کہ میرے بیٹے کا خلافت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

وراثت کا ذکر چھوڑو، خلافت کے لیے آقا اور غلام کی بھی قید نہ تھی۔ حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ اگر ابو حذیفہ کا غلام سالم زندہ ہوتا تو میں خلافت کے لیے اُسکا انتخاب کرتا۔

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ خلفائے راشدین میں سے ہر ایک کا انتخاب قوم کی عام رائے سے ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ کا انتخاب بنو ساعدہ کی نشستگاہ میں حضرت عمرؓ کی تحریک اور مہاجرین و انصار کی تائید سے ہوا۔ حضرت عمرؓ کا انتخاب حضرت ابوبکرؓ کی تحریک اور اہل الرائے مسلمانوں کی پسندیدگی سے ہوا۔ حضرت عثمانؓ کا انتخاب اہل مدینہ کی رائے سے ہوا۔ واقعۂ تحکیم میں حضرت علیؓ اور امیر معاویہ کی معزولی بھی قوم ہی کی رائے سے ہوئی تھی۔

---

۱ کنز العمال، جلد ۳، صفحہ ۱۳۹
۲ طبقات ابن سعد، صفحہ ۲۴۳، جزو ۳ قسم ثالث،

کو خلفائے راشدینؓ کے بعد یہ زریں اصول مسلمانوں سے بالکل چھوٹ گیا لیکن اس کا ایک حصہ ہمیشہ باقی رہا یعنی بیعت۔ بیعت کے معنی یہ ہیں کہ تمام ملک کے لوگ جبراً یا رضاءً اپنے اپنے شہر کے گورنروں کے سامنے خلیفہ کو خلیفہ تسلیم کرنے کا اقرار کریں اور اُس کی اطاعت کا وعدہ کریں۔ سلطنت کے بڑے عہدہ دار، مثلاً وزراء، قاضی، شیخ الاسلام، سپہ سالار افواج، حکام ملک، خود خلیفہ کے سامنے آکر اطاعت اور فرمانبرداری کا عہد کریں، دولت امویہ، دولت عباسیہ اور اکثر اسلامی سلطنتوں کے خلفاء اور بادشاہوں کے یہاں تخت نشینی کے وقت ہمیشہ بیعت لی جاتی تھی۔ شاہان روم میں خلافت کی حیثیت سے رسماً اب تک یہ طریقہ جاری ہے۔

ہمارے یہاں فقہا اور متکلمین نے خلافت کی جو شرطیں قرار دی ہیں اُن میں سے بھی کسی قدر انتخاب خلیفہ کے مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے، گو اُنھوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ صرف حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کے انتخاب خلافت کو اصول قرار دے کر لکھا ہے۔ قاضی ماوردی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں

الامامۃ تنعقد بوجہین احدہما باختیار اہل العقد والحل والثانی بعہد الامام من قبل (الاحکام السلطانیۃ ص ۴)	خلافت چند طریقوں سے منعقد ہوتی ہے۔ ایک تو اہل الرائے لوگوں کے انتخاب سے دوسرے یہ کہ خلیفہ سابق خود اپنا کسی کو جانشین بنا جائے۔

علامہ تفتازانی شرح مقاصد میں لکھتے ہیں،

وتنعقد الامامۃ بطرق احدہا بیعۃ اہل الحل والعقد من العلماء والرؤساء ووجوہ الناس (بحث ثانی)	خلافت چند طریقوں سے منعقد ہوتی ہے ایک یہ کہ علماء، سرداران اور معززین قوم بیعت کریں۔

اس بیان سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ اسلام میں خلیفہ کا انتخاب بالکل قوم کی رائے پر موقوف ہے۔

مشاورت فی الامر

جمہوریت کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ امور سلطنت ملک کے اہل رائے اصحاب کے مشورہ سے انجام پائیں۔ اس نقطۂ بحث پر بھی کچھ زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں، قرآن مجید نے خود اسکا فیصلہ کر دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو اسلام کے اعتقاد میں بالکل معصوم ہیں، اُنکو بھی خدا نے باہمی مشورہ کا حکم دیا ہے،

وشاورہم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ (آل عمران)	اور کام میں ان لوگوں سے مشورہ لے اور جب عزم کرلے پھر خدا پر بھروسہ کر۔

خدائے پاک نے مسلمانوں کی تعریف ان اوصاف کے ساتھ کی ہے،

والذین استجابوا لربہم واقاموا الصلوۃ وامرہم شوریٰ بینہم ومما رزقناہم ینفقون۔ ۵۵۔ (شوریٰ)	اور جو لوگ خدا کا حکم قبول کرتے ہیں نماز پابندی سے پڑھتے ہیں اور جنکا کام باہمی مشورہ کرنا ہے اور جو ہم نے دیا ہے اُسمیں سے خرچ کرتے ہیں۔

ان دو آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے تمام عام معاملات باہمی مشورہ سے طے ہونے چاہییں۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اسلام نے مشورہ و شوریٰ کو اس قدر اہمیت دی ہے کہ [illegible] آیت جس سورہ میں واقع ہے

اُس کا نام ہی اُس نے سورۂ شوریٰ قرار دیا ہے،

جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کا شوریٰ کے متعلق کیا طرزِ عمل تھا اس کا جواب احادیث ذیل سے معلوم ہوگا۔

عن عبد اللہ بن عمر کتب ابوبکر الصدیق الی عمرو بن العاص ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شاورنا فی الحرب فعلیک بہ (کنز العمال ج ۱ ص ۱۹۳)

عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عمرو بن العاص کو لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ میں ہم لوگوں سے مشورہ کرتے تھے۔ تم بھی ایسا کیا کرو۔

اس حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ دونوں کا طرزِ عمل معلوم ہوتا ہے،

عن ابن شہاب کان عمر بن الخطاب اذا نزل بہ الامر المعضل دعا الفتیان فاستشارہم یبتغی حدۃ عقولہم (کنز العمال ج ۱ ص ۱۹۳)

ابن شہاب سے مروی ہے کہ جب حضرت عمرؓ کو کوئی امر مشکل پیش آتا تھا تو نوجوانوں کو بلا کر اُنسے رائے طلب کرتے تھے تاکہ انکی ذکاوت کی پیروی کریں۔

اس حدیث سے یہ ثابت ہونے کے علاوہ کہ وہ ہر اہم امر پر لوگوں سے مشورہ لیتے تھے۔ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شروع ہی سے نوجوانوں کو امور سیاست میں غور و فکر کا عادی بناتے تھے،

تاریخ اسلام شاہد ہے کہ خلفائے راشدین کو جب کوئی مشکل پیش ہوتی تھی یا کسی امر کا فیصلہ مطلوب ہوتا تھا تو منادی الصلوٰۃ جامعۃ کہکر اعلان کرتا تھا۔ تمام مسلمان مسجد نبوی میں آکر جمع ہوتے تھے۔ اکابر صحابہ خاص طور سے شریک مجلس ہوتے تھے۔ خلیفہ منبر پر چڑھ کر حمد و نعت کے بعد ایک مختصر تقریر میں حاضرین کے سامنے مسئلہ پیش کرتا اور لوگ باری باری سے تقریریں کرتے تھے اور آخر میں اسکا فیصلہ ہوتا تھا۔ اس قسم کے مجالس میں جو واقعات طے ہوئے اگر تفصیل کے ساتھ انکو بیان کیا جائے تو بحث بہت طویل ہو جائیگی اس لیے ہم صرف واقعات کے اجمالی اشارات پر اکتفا کرتے ہیں،

عہد رسالت:- اذان، بکذیب - واقعۂ افک - فدیۂ اسیران جنگ، جنگ احد میں مدینہ سے باہر نکل کر لڑنا - غزوۂ خندق میں مدینہ میں محصور ہوکر لڑنا، وغیرہ -

عہد خلافت راشدہ:- ترتیب قرآن مجید، جناب اہل ارتداد، جنگ شام مجوسیوں سے جزیہ لینے کی بحث، عراق و شام کے ملک کو فوج کی جاگیر میں دینے کی بحث، بعض عمال اور گورنروں کا تقرر، سپہ سالاروں کا انتخاب، تقسیم غنیمت، فوج کی تنخواہ، سنہ ہجری کا تعین، غسل جنابت بغیر خروج کی بحث، دفاتر کی ترتیب، وبائی ملک میں داخل ہونے کی بحث، غیر قومی تجارت پر محصول، جنگ فریقہ -

عدم ترجیح جمہوریت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ بادشاہ یا پریسیڈنٹ کو عام افراد قوم پر ترجیح اور امتیاز نہ ہو۔ یہ خصوصیت اسلام میں جس قدر نمایاں ہے، حقیقت یہ ہے کہ آج امریکہ اور فرانس کی جمہوری حکومتوں میں بھی نہیں پیدا ہے۔ واقعات کی ضرورت نہیں خلفائے راشدین کی مجامع عامہ کی تقریریں، انکی زبان کے نکلے ہوئے فقرے، غیر قوموں کی بادشاہ پرستی کے مقابلہ میں سفرائے اسلام کی گفتگوئیں یہ تمام تصریحات ہمارے دعوے کی دلیلیں ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی خلافت کے وقت جو سب سے پہلی تقریر کی اُسکے بعض فقرے یہ ہیں،

یا ایہا الناس قد ولیت امرکم ولست بخیرکم ..... ایہا الناس انا متبع ولست بمبتدع فان احسنت فاعینونی وان زغت فقوّمونی (ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۲۹)

لوگو! میں تمہارا خلیفہ مقرر ہوا ہوں گو میں تم سے بہتر نہیں ہوں ..... لوگو میں پیرو ہوں کوئی نئی بات کرنیوالا نہیں ہوں اگر میں ٹھیک کام کروں تو مجھے مدد دو اور اگر میں کج ہوں تو مجھے سیدھا کرو

فتح شام کے بعد ایک مجلس شوریٰ میں ایک مسئلہ میں جب اختلاف آراء ہوا، حضرت عمر فاروقؓ نے ایک طویل خطبہ دیا۔ جسکے چند الفاظ یہ ہیں

فانی واحد کاحدکم ..... ولست ارید ان تتبعوا ہذا الذی ہوائی (کتاب الخراج قاضی ابو یوسف ص ۱۵)

کیونکہ میں تم میں سے ایک کے برابر ہوں ..... میرا منشا نہیں کہ میں جو چاہتا ہوں اُسکو آپ بھی مان لیں۔

حضرت عمرؓ نے ایک موقع پر لوگوں سے کہا،

اخبرکم بما استحل لی منہ حلتان حلۃ فی الشتاء وحلۃ فی القیظ وما احج علیہ واعتمر من الظہر وقوتی وقوت اہلی کقوت رجل من قریش لیس باغناہم ولا بافقرہم ثم انا بعد رجل من المسلمین یصیبنی ما اصابہم (ابن سعد جز ثالث قسم اول ص ۱۹۰)

میں خود بتاتا ہوں کہ بیت المال سے مجھے کتنا لینا جائز ہے۔ دو جوڑے کپڑے، ایک جاڑے اور ایک گرمی کا۔ اور ایک سواری حج اور عمرہ ادا کرنیکی اور قریش کے ایک متوسط الحال آدمی کے اخراجات طعام کے برابر اپنے اور اہل و عیال کیلیے اخراجات طعام اسکے بعد میں عمومی مسلمان کے برابر رتبہ رکھتا ہوں جو انکا حال ہوگا وہی میرا حال ہوگا۔

حضرت معاذ بن جبلؓ ایک بڑے پایہ کے صحابی ہیں روم کے دربار میں وہ سفیر بنکر گئے تھے۔ رومی سرداروں نے قیصر کے جاہ و جلال اور اعزاز و اقتدارات سے انکو مرعوب کرنا چاہا، جہاں مسلمانوں پر دوسرا رنگ چھایا ہوا تھا حضرت معاذؓ نے اسکے مقابلہ میں امیر عرب کے اختیارات کی جن الفاظ میں تصویر کھینچی وہ حسب ذیل ہیں:

امیرنا رجل منا ان عمل فینا بکتاب دیننا وسنۃ نبینا صلی اللہ علیہ وسلم اقررنا علینا وان عمل بغیر ذلک عزلناہ عنا وان ہو سرق قطعنا یدہ وان زنا جلدناہ وان شتم رجلا منا شتمہ باشتمہ وان جرح اقاد من نفسہ ولا یحتجب ولا یتکبر علینا ولا یستاثر علینا فی فیئنا الذی افاء اللہ علینا وہو کرجل منا۔ (فتوحات ازدی ص ۱۱۵ کلکتہ)

ہمارا سردار ہم ہی میں کا ایک فرد ہے۔ اگر ہمارے مذہب کی کتاب اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کی پیروی کرے تو ہم اُسکو اپنا سردار باقی رکھیں، اور اگر اسکے سوا وہ کسی اور چیز پر عمل کرے تو ہم اُسکو معزول کر دیں۔ اگر وہ چوری کرے تو ہاتھ کاٹیں اور اگر زنا کرے تو سنگسار کریں اور اگر وہ کسی کو گالی دے تو وہ بھی اُسکو اُسی طرح گالی دے اگر وہ کسی کو زخمی کرے تو اُسکا بدلہ دینا پڑے۔ وہ ہم سے چھپ کر پردہ میں نہیں بیٹھتا اور ہم سے غرور نہیں کرتا، مال غنیمت میں اپنے کو ہم پر ترجیح نہیں دیتا۔ وہ ہم میں ایک معمولی آدمی کا رتبہ رکھتا ہے۔

ان الفاظ کو غور سے پڑھو پھر بتاؤ کیا اس سے واضح تر الفاظ میں جمہوریت کی حقیقت ظاہر کیجا سکتی ہے؟ کیا حکومت عام کی اس سے بہتر نوعیت ہوسکتی ہے؟ (الندوہ، مئی ۱۹۱۱ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چند کتابیں

الناظر

اودھ کا مشہور رسالہ جو سنہ ۱۹۰۹ء سے اُردو کی قابل قدر خدمت انجام دے رہا ہے اور جس کی فصیح زبان، اعلیٰ درجہ کے علمی و مذہبی و تمدنی مضامین اور ترقی کی سوسائٹی کی روا داری [illegible] کی بنا پر خاص عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اگر آپ اُردو مضامین کی [illegible] سے اس رسالہ کا ذوق ہے یا آپ ملک کی ادبی رفتار سے واقف رہنا چاہتے ہیں تو رسالہ الناظر [illegible]

مہتمم الناظر لکھنؤ

میلاد النبی صلعم

مشہور محدث ابن جوزی کی عربی میلاد [illegible] بالمقابل اردو ترجمہ [illegible]

قیمت [illegible]

نغمۂ حرم

مولانا [illegible] کی نعتوں کا مجموعہ [illegible] قیمت ۱۲ر

تاریخ عرب

قبل اسلام جزیرۃ العرب کی کیا حالت تھی اور مسلمان [illegible] کی زندگی میں کیا انقلاب [illegible] دنیا [illegible] اخلاق [illegible] اسلام [illegible] ایشیا یورپ اور افریقہ [illegible] مصنف ایک فرانسیسی عالم [illegible]

قیمت [illegible]

تفسیر الفرقان فی معارف القرآن

[illegible] قرآن کریم کی روشنی میں [illegible] اخلاق [illegible]

الخلافۃ الکبریٰ - سورۂ بقرہ کی تفسیر [illegible]

بیان - سورۂ آل عمران کی تفسیر [illegible]

الصراط المستقیم [illegible] سورۂ فاتحہ کی تفسیر [illegible]

سبیل الرشاد سورۂ حجرات کی تفسیر [illegible]

کلید خزائن قرآنی

اگر آپ قرآن شریف کی کوئی آیت تلاش کرنا چاہتے ہیں [illegible] تمام قرآنی الفاظ [illegible]

قیمت [illegible]

کشاف الہدیٰ

مشہور [illegible] قرآن پاک [illegible] اردو [illegible]

قیمت [illegible]

ترجمہ ابن خلدون مع مقدمہ

[illegible] اسلامی تاریخ [illegible] ابن خلدون [illegible] جلد اول - دوم - سوم

چہارم، پنجم، ششم، ہفتم، ہشتم [illegible]

نہم - یازدہم (جلد دہم دوبارہ چھپ رہی ہے)

مقدمہ کا ترجمہ [illegible] ابن خلدون [illegible]

قیمت [illegible]

مصنفین اُردو

علوم القرآن [illegible]

اسرار القرآن [illegible]

اُردو کے تین سو سے زائد مشہور و مقبول مصنفین کی [illegible] مکمل تصانیف کی فہرست مع [illegible] بیان سال بسال شائع ہوتی ہے۔ [illegible] اُردو کی کوئی عمدہ کتاب [illegible]

قیمت - ۱ے ر

مہتمم الناظر بک ایجنسی

تصوف اسلام

[illegible] اسلامی تصوف [illegible]

قیمت [illegible]

آئینہ حقیقت نما

ہندوستان [illegible] تاریخ [illegible]

قیمت [illegible]

پیام امن

[illegible]

قیمت [illegible]

حقایق اسلام

[illegible] اسلام [illegible]

قیمت [illegible]

تاریخ الحرمین الشریفین

مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ [illegible] مفصل تاریخ [illegible]

قیمت [illegible]

جدید دور اسلام

[illegible] اسلامی [illegible]

قیمت [illegible]

تجرید بخاری مع ترجمہ

[illegible] بخاری شریف [illegible]

قیمت [illegible]

انتخاب صحاح ستہ

[illegible]

قیمت [illegible]

مسلمانان اندلس

[illegible] اندلس [illegible]

قیمت [illegible]

جزاء الاعمال

[illegible]

مستقبل اسلام

[illegible]

قیمت [illegible]

نامۂ مجسم

[illegible]

قیمت [illegible]

ملنے کا پتہ :- الناظر بک ایجنسی لکھنؤ

باہتمام احقر الانام اسحاق علی علوی مالک و مہتمم الناظر پریس لکھنؤ میں طبع ہوا